جناب محمد نصر اللہ حسینی

تاریخِ آزادئ ہند کے دو اہم ماخذ

۱۸۵۷ کی تحریکِ آزادی کی ناکامی کے بعد اس تحریک کے سرکردہ اور ذمہ دار افراد کو انگریزوں نے اذیت ناک سزائیں دیں۔ ان سزا پانے والے مجاہدین میں مشہور فلسفی اور منطقی علامہ فضل حق خیر آبادی بھی تھے۔ حضرت علامہ خیر آباد کے مشہور علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد گرامی مولانا فضل امامؒ بڑے علم و فضل کے مالک تھے اور ہندوستان میں پہلے مسلمان چیف جسٹس تھے[۱] مولانا فضل حق خیر آبادی پر بھی مقدمہ چلا۔ ان کی جائیداد ضبط کرنے کے بعد انھیں قید کر لیا گیا اور پھر اکتوبر ۱۸۵۹ میں "کالے پانی" بھیج دیا گیا۔ خیر آباد کا وہ شہزادہ جو کبھی پالکی میں بیٹھ کر دربار آتے ہوئے اپنے والد گرامی سے سبق پڑھا کرتا تھا، اب یہاں دن بھر ٹوکری اٹھائے مشقت کی زندگی گزار رہا تھا۔ عیش و تنعم میں زندگی بسر کرنے والا قیدِ فرنگ میں آزادئ ہند کی خاطر کس مپرسی کی زندگی گزار رہا تھا۔ ان جزائر کی آب و ہوا سم قاتل تھی چنانچہ مولانا جعفر تھانیسری کے بقول:

"جس کو زخم ہو گیا وہ تین روز بعد سڑ گیا اور چھٹے روز مر گیا۔ زخم کیا ہوتا تھا۔ گویا پیغام اجل تھا[۲]"

مسلسل مشقت، آب و ہوا کی خرابی اور غموں کے بوجھ کی وجہ سے حضرت علامہ خیر آبادی بھی علیل ہو گئے لیکن اس پیکرِ عزم و ہمت کی لگن کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے کہ ان آلام و مصائب اور علالت کے باوجود علم و ادب کی خدمت سے غافل نہیں ہوئے۔ انھوں نے قیدِ فرنگ میں بھی دو تاریخی اور ادبی شاہکار الثورۃ الھندیہ اور قصائد فتنۃ الھند تصنیف فرمائے۔

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۲ [۲] تاریخ عجیبہ

الثورۃ الہندیہ

اس کتاب کو علامہ فضل حق خیر آبادی کی ذاتی ڈائری کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ چونکہ وہ خود اس تحریکِ آزادی کے سرگرم مجاہد تھے، اس لیے انھوں نے اپنے چشم دید واقعات کو درج کیا ہے۔ مجاہدینِ آزادی کی داستانِ حریت انگریزوں کے مظالم اور جنگ کے نتائج کو بیان کیا ہے۔ اس کتاب کے مندرجات کی بنا پر ابتدا میں اسے رسالۂ غدریہ اور تاریخ فتنۃ الہند بھی کہتے تھے[۳] لیکن ابوالکلام آزاد کے مقدمہ کے ساتھ یہ کتاب الثورۃ الہندیہ کے نام سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ حال ہی میں مولانا غلام مہر علی نے چشتیاں سے اپنے حاشیہ "یواقیت مہریہ" کے ساتھ اسے دوبارہ طبع کرایا ہے۔

یہ کتاب تاریخی اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے اور اسے اگر تاریخِ آزادیٔ ہند کا ایک ماخذ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ چنانچہ غلام مہر علی رقم طراز ہیں:

ان الکتاب المستطاب الثورۃ الہندیۃ اعنی الرسالۃ الغدریۃ کان من اضبط الکتب فی تسجیل حوادث غدر البراطنۃ مع السلاطین المسلمین واشمل الاسفار فی تفصیل وقائع النہضۃ الاسلامیۃ الاولیٰ[۴]۔

بے شک ایک عمدہ کتاب الثورۃ الہندیہ یعنی رسالۂ غدریہ مسلمان بادشاہوں کے ساتھ برطانوی غدر کے حوادثات کے قلمبند کرنے میں مستند ترین کتاب ہے۔ یہ کتاب پہلی تحریک آزادی کے واقعات کی تفاصیل کے ابواب پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کے مضامین کی فہرست سے اس کی تاریخی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ علامہ خیر آبادی نے اگرچہ عنوانات قائم نہیں کیے تھے تاہم اس کی حیثیت کو واضح کرنے کے لیے ذیل میں مضامین کی فہرست ترتیب دی جاتی ہے۔

۱۔ سیدِ دو عالم کی توصیف ۲۔ اسباب تحریک آزادی

---

[۳] معجم المؤلفین۔ ج ۸ ص ۸۲ [۴] یواقیت المہریۃ۔ ص ۱۱

۳- انگریزوں کی سیاہ کاریاں ۴- بعض اہل ہند کی زیادتیاں
۵- علمائے حق کا جہاد ۶- مجاہدین پر انگریزوں کی چڑھائی
۷- قیادت کی خامیاں ۸- بہادر شاہ ظفر بحیثیت استبدادیں
۹- لکھنؤ اور اودھ ۱۰- بیگم حضرت محل کی بے خانمانی
۱۱- احمد اللہ کے مجاہدانہ کارنامے ۱۲- انگریز کا فریب عفو
۱۳- مصنف پر کیا گزری ۱۴- جزائر انڈمان کی تکالیف
۱۵- مصنف کے قصائد عربیہ کا تذکرہ۔

ادبی اہمیت

الثورۃ الھندیہ جہاں تاریخِ آزادیٔ ہند کا ایک اہم ماخذ ہے وہاں عربی ادب کا بھی بہترین شاہکار ہے۔ یہ کتاب نہایت عمدہ اور فصیح و بلیغ، مسجع و مقفیٰ عربی میں ہے۔ علامہ کا کمال یہ ہے کہ جملے اس طرح بناتے ہیں کہ ایک مادہ کے مختلف صیغے متعدد معنوں میں بے تکلف استعمال کرتے جاتے ہیں۔ مثلاً خطبہ میں فرماتے ہیں:

الحمد للہ عظیم الرجاء، لا انجاء من دون الارجاء، من البلوی والبلی وابلاء، حسن البلاء، یا یتاء الآلاء لمن دعاہ یا سمی الاسماء لا سیما لمن ظلم واضطر عند الابتلاء، بالاسواء والادواء[۵]

اور عوام کو عیسائی بنانے کی سکیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لتخیلھم اَنّ اختلاف الشلل فی الادیان والملل من اقوی العلل لتطرق الخلل فی بقاء التسلط والعمل[۶]

علامہ خیر آبادی گویا نثر میں نظم کے موتی جمع کر رہے ہیں۔ ایک جھلک اور ملاحظہ کریں۔ اپنی گرفتاری کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

فبعد ایام دعانی من معانی عامل نصرانی، فحبسنی دعقانی حزنی وعنانی[۷]

---

[۵] الثورۃ الھندیہ ص ۱۱ [۶] ایضاً ص ۲۲ [۷] ایضاً

قصاید فتنۃ الہند

قصاید فتنۃ الہند ۲۸۵ اشعار پر مشتمل ہے اور دوسرے قصیدہ دالیہ میں ایک سَو اشعار ہیں۔

یہ اشعار علامہ خیر آبادی کے ایّام اسیری کی یادگار ہیں بعض تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ یہ قصائد علامہ خیر آبادی نے کسی رہا ہونے والے قیدی کے ذریعہ اپنے فرزند مولانا عبد الحق خیر آبادی کو بھجوائے تھے اور بعض نے لکھا ہے کہ جب مولانا عبد الحق خیر آبادی جزائر انڈمان میں اپنے والد کی رہائی کا پروانہ لے کر پہنچے، تو شہر کے باہر ایک جنازے پر نظر پڑی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ علامہ فضل حق خیر آبادیؒ کا جنازہ ہے۔ یہ با حسرت و یاس جنازے میں شامل ہوئے۔ تدفین کے بعد قیدخانہ پہنچے تو دیواروں پر یہ اشعار کوئلے سے لکھے ہوئے پائے جو انھوں نے نقل کر لیے۔[۸]

ہمارے خیال میں یہ دونوں آرا درست ہوسکتی ہیں اور ان میں تطبیق ممکن ہے۔ ہوسکتا ہے مولانا نے یہ اشعار اس وقت دیواروں پر لکھے ہوں جب کہ ان پر جیل میں انتہائی سختی برتی جاتی تھی لیکن جب ایک افسر کی نرمی اور علم دوستی کی وجہ سے ان کو وہاں کلرکی کے فرائض سپرد کیے گئے، تو پھر کاغذ پر یہ اشعار لکھ کر بیٹے کو بھیج دیے ہوں۔

یہ دونوں قصائد بڑی تاریخی اہمیت کے حامل ہیں اور ایک مورخ انھیں سامنے رکھ کر ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی ہند کا ایک خاکہ مرتب کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صاحب معجم المولفین نے اسے قصائد فتنۃ الہند کے نام سے موسوم کیا ہے[۹] ان قصائد میں ملکہ برطانیہ کا فریب، انگریزوں کے ظلم و ستم، قید فرنگ میں انگریزوں کا قیدیوں سے سلوک، اور اس قسم کے دیگر تاریخی عنوانات پر مولانا نے اظہار خیال فرمایا ہے۔

یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ تحریک آزادی کی ناکامی کے بعد جب سرکردہ رہنما روپوش ہو گئے تو گورنمنٹ برطانیہ نے عفوِ عام کا حکم جاری کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح مجاہدین اپنی

---

۸ تحریک آزادی کے سات ستارے ص ۱۲ ۹ معجم المولفین ج ۸ ص ۸۲

کمین گاہوں سے باہر نکل آئیں گے تو انھیں گرفتار کر لیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مجاہد رہنما جب گھروں کو لوٹے تو انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ اب اس سرگزشت کو علامہ صاحب کی زبانی سنیے :

رجعت اذ غرّنی ایمان کافرۃ   بزور العهد الیٰ اهلی واولادی

منت بما وعدت ثم اعتدت ما وعدت   فکان موعدها کید الالیاد

یعنی اس کافرہ کے جھوٹے وعدوں اور قسموں پر دھوکا کھا کر میں بھی اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹ آیا۔ پہلے وعدہ کرکے لوگوں کو آرزومند بنایا پھر عداوت وظلم سے کام لیا۔ دراصل اس کا وعدہ وعید ایک فریب تھا۔

دوسرے قصیدے میں کہتے ہیں :

یخلبن خلقاً بالمواثق ثم لا   لهو دهن وعهدهن وفاء

اور یہ عورتیں وعدوں سے لوگوں کو پھانس لیتی ہیں، پھر اپنے وعدوں کو پورا نہیں کرتیں۔

قصائد کی ادبی اہمیت

اسے اُس علمی دَور کی جامعیت کہیں کہ ایک عالم بے بدل اور دین دار منطقی اپنے مدرسہ و مکتب سے نکل کر جنگ اور محفلِ شعر و سخن میں بھی اپنا لوہا منوا سکتا تھا۔ تعجب ہوتا ہے کہ علامہ خیر آبادی جیسا منطقی اور فلسفہ کی خشک وادی میں محو خرام رہنے والا جب میدان شعر و شاعری میں آنکلتا ہے تو یہاں بھی سبقت لے جاتا ہے۔ چنانچہ سر سید احمد آثار الصنادید میں علامہ خیر آبادی کا تعارف کراتے ہوئے انھیں "ثالث اثنین بدیعی وحریری ... فرزدق عہد و لبیدِ دوران"[1] جیسے القاب سے یاد کرتے ہیں۔

روضۃ الادباء کے مولف پروفیسر محمد دین مرحوم ان قصائد کے بارے لکھتے ہیں "یہ قصائد امرأ القیس اور لبید کے قصاید پر فوقیت رکھتے ہیں"[2]

مولانا عبدالاولی جونپوری رقم طراز ہیں :

---

[1] آثار الصنادید ج ۴ ص ۱۴۸   [2] روضۃ الادباء ص ۱۴۸

"عربی کلام آپ کا عرب العرباء کے ہم پلہ ہوتا ہے"[۱۲]

مندرجہ بالا اہلِ علم کی آرا کے علاوہ بیسیوں دیگر علما کے اقوال کی روشنی میں جب ہم آپ کے قصائد کا جائزہ لیتے ہیں تو بے اختیار مولانا کے شعری ملکہ کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ آپ کی شاعری میں مضمون آفرینی، تمثیل، زورِ کلام اور شوکتِ الفاظ اور شعری خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ آپ کے اشعار میں تجنیس اور دیگر محسنات لفظی کا بڑا التزام پایا جاتا ہے۔ قصائد فتنۃ الہند میں حمد و ثنا، رنج و الم، عشق و محبت، ہجو و مدح، واقعات نگاری اور التجا و آرزو جیسے موضوعات پر اشعار ملتے ہیں۔ قصائد کے آخر میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں کئی اشعار لکھے ہیں۔ بطور نمونہ چند اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

افحم کلّ منطیقٍ ببذکر حکیم لا یعارض فی النظام

سرکار دوعالم نے ایسے کلام حکیم (قرآن مجید) سے جس جیسا کوئی نہیں بنا سکتا، ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

قصیدہ ہمزیہ میں کہتے ہیں:

قد زاد مکّۃ رفعۃً میلادہ ولتشرفت بوجودہ البطحاء

والشمسُ اشفقت للخروبِ فاوقفت لیکون منہ للصلوٰۃ اداء

حیّتہ احجار واشجار وکم نطقت لہ بفصاحۃ عجماء

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ کے باعث مکہ کی عظمت دوبالا ہو گئی اور وادی بطحا آپ کے وجود مسعود کی وجہ سے شرف و فضیلت کی مالک بن گئی۔ سورج ڈوبنے چلا تھا کہ یک دم رک گیا کیونکہ آنحضرت سید عالم نے ابھی نماز ادا کرنی تھی (راہ چلتے) آپ کو شجر و حجر نے سلام کیا اور کئی بے زبان (آپ کے سامنے) فصاحت و بلاغت سے گفتگو کرنے لگے۔

الغرض یہ دونوں تصانیف گوناگوں خوبیوں کی حامل ہیں اور اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ انھیں دوبارہ زیور طباعت سے آراستہ کیا جائے تاکہ تاریخ اور ادب سے دلچسپی رکھنے والے ان سے استفادہ کر سکیں۔

۱۲؎ مقدمہ مفید المفتی ص ۱۳۹